ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
Vol. 3, No.1 (2020)
(January to March)

میر درد کا تصور فنا

(MIR DARD'S CONCEPT OF ANNIHILATION)

حافظہ عائشہ صادقہ
ایم۔فل اُردو اسکالر، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر محمد ارشد اویسی
صدرِ شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Mir Dard is a famous poet of the eighteenth century. His poetry reveals many eternal truths. The name of Mir Dard has become inseparable in Sufism. His time was full of anxiety and disturbance which intensified the concept of Tasawur e Fana in his poetry. His poetry has a clear and profound impression of Tasawur- e- Fana. Tasawur e Fana is a mysterious and sheer truth which nobody can denies. This concept is beautifully expressed by Mir Dard. It is one of his most frequently themes discussed in his poetry. He perceives this concept from different angles. This article seeks to highlight all the concept of Dard's Tasawur e Fana. The transformation of the eighteenth century, where many revolutions took place, also played an important role in changing the attitude of the people. Feelings like impermanence, impermanence of the world grew stronger in the heart and mind. Day-to-day riots, murders and destruction made life unreality. Let the world and all its desires lose their value. The moments of joy appeared temporary.

Key Words: Reveals, Sufism, Anxiety, Intensified, Tasawur- e- Fana, Profound, Expressed, Perceives

شاعری ایک فن ہی نہیں بلکہ احساسات اور جذبات کی ترجمانی ہے۔ شاعری میں عصری شعور اور رجحانات کی عکاسی کے ساتھ ساتھ بہت حد تک شاعر کی شخصیت کا جوہر بھی سمٹ آتا ہے اور اگر اس میں تصوف کی چاشنی بھی شامل ہو جائے تو شاعری کا مزہ دو آتشہ ہو جاتا ہے۔ خواجہ میر درد نے اپنی غزلوں کو تصوف کے رنگ سے رنگ دیا۔ ان کے اشعار نظام تصوف کے بعض بنیادی معاملات و مسائل کے ترجمان و عکاس ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ درد کا اصل کمال صوفی ہونے میں نہیں بلکہ تصوف کو شعر کا رنگ دینے میں ہے۔ ان کے یہاں تصوف شعریت میں گھل مل گیا ہے۔(۱)

میر درد کا نام اردو غزل میں تصوف کا مترادف ہو گیا ہے کیونکہ بقول مولانا محمد حسین آزاد تصوف جیسا انہوں نے کہا اردو میں آج تک کسی سے نہیں ہوا۔(۲) درد اردو شاعری کے ارتقا میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ درد نجیب الطرفین حسینی سید تھے۔ ان کے والد اپنے وقت کے نہایت بزرگ صوفی تھے۔ ان کی والد کی محبت کا فیض تھا کہ انہوں نے جوانی ہی میں درویشی اختیار کر لی اور والد کی رحلت کے بعد مسند نشینی اختیار کی۔ درد فارسی اور عربی کے علاوہ قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور علم تصوف پر بھی خاص قدرت رکھتے تھے۔ ان کی تصانیف اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ روحانی فیوض و برکات، صوفیانہ مزاج کی تعمیر میں ان کے والد خواجہ ناصر عندلیب کی تعلیمات بہت اہم ہیں۔ اسی درویشی کی وجہ سے ان کے اندر غمخواری، مخلوق خدا کی خیر خواہی اور خدمت، دنیا کے مال و دولت سے بے نیازی، فقر و قناعت، استغنا و خود داری، بے ثباتی دنیا کا احساس، عظمت انسان کا تصور راسخ ہو گیا۔ یہی احساسات

وخیالات ان کی شاعری کا محرک بنے۔ درد نے اپنی شاعری میں کثرت سے صوفیانہ تصورات واصطلاحات کا استعمال کیا مثلاً حقیقت ومجاز، عشق وعقل، قلب ونظر، ذکر جلی وخفی، دل زندہ، دل مردہ، جبر واختیار خلوت درانجمن، سفر دردوطن، حودی، بے ثباتی وبے اعتباری، بقاوفنا، مکاں ولامکاں، وحدت وکثرت، جزوکل اور توکل وفقر وغیرہ۔ نہ صرف یہ تصورات درد کی شاعری کا حصہ بنے بلکہ ان کے کلام میں اثر انگیزی بھی پیدا ہوگئی۔

درد کا زمانہ انتشار وافلاس کا تھا۔ اس وقت مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ جاٹوں، سکھوں اور مرہٹوں کی شورشوں کی وجہ سے دلی بدحالی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ بدامنی، بے چینی، اندرونی بغاوتوں نے اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ ان حالات نے اقتصادی، اخلاقی، معاشی ابتری کی صورتحال پیدا کر دی۔ زندگی کے انتشار اور معاشی پستی نے انسانی فکر وعمل کو بھی بہت متاثر کیا۔ پورا معاشرہ ناامیدی، تکلیف، بے ثباتی اور احساسِ فنا کے ساتھ غم والم میں ڈوبا دکھائی دینے لگا۔ اس مزاج اور فکر کی ترجمانی شاعری نے تصوف کا چولا پہن کر کی۔ تصوف اس دور میں ایک مقبول وفلسفہ حیات بن گیا۔ تصوف کے وسیلے سے زندگی میں معنویت تلاش کی جانے لگی۔ درد کے نزدیک بھی تصوف زندگی گزارنے کا طریقہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں تصوف کے بے شمار اہم مسائل موجود ہیں۔ فنا اور بے ثباتی مسائل تصوف میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ درد کے کلام میں فنا کا مضمون بکثرت موجود ہے۔ فنا کی ایمائیت اس بات کی متقاضی ہے کہ اسے تہہ در تہہ بنظر غائر دیکھا جائے۔ ذیل میں تصور فنا کو درد کی شاعری کے تناظر میں دیکھا گیا ہے۔

فنافی العشق:

جذبہ عشق ہر انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ یہ جذبہ سب جذبوں سے برتر ہے۔ اس کائنات کی گہما گہمی عشق ہی کی کارفرما ہے۔ درد کی شاعری کا محور بھی محبت وعشق ہے۔ عشق کی سرمستی میں کھو کر وہ فنا ہو جانا چاہتے ہیں۔ ان کا عشق حقیقی بھی ہے اور مجازی بھی۔ جب درد کی شاعری کو ان کی زندگی کے حوالے سے دیکھا جاتا ہے تو ان کی شاعری میں حقیقت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے اور جب دوسرے پہلو سے دیکھا جاتا ہے تو اس میں مجاز کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔ کہیں مجاز کے پردے میں حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا عشق مجازی وحقیقی دونوں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ چند جگہوں پر عشق کی کیفیات ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کا مرجع متعین نہیں کیا گیا۔

درد عشق حقیقی کے میدان کے مرد مجاہد ہیں۔ وہ عشق کے پیرائے میں زیادہ تر ان خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں جس سے حقیقت کا رنگ واضح ہوتا ہے۔ اسی رنگ میں اپنے آپ کو رنگ کر انہیں حقیقت مطلق کا جلوہ چہار سو نظر آتا ہے جس کے نور سے یہ کائنات روشن ہے۔

جگ　میں　آکر　ادھر　ادھر　دیکھا
تو　ہی　آیا　نظر　،　جدھر　دیکھا(۳)

درد وحدت الوجود کے بھی قائل نظر آتے ہیں اور وحدت الشہود کے بھی۔ حقیقت مطلق کے نور سے اپنے آپ کو منور کر کے وجود وشہود کے تعینات پردے، جب اٹھتے دکھائی دیتے ہیں تو بے اختیار عشق کی سرشاری اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ وہ دنیا ومافیہا سے بے نیاز اس کے عشق میں فنا ہو جاتے ہیں۔

نہ　ہم　غافل　ہی　رہتے　ہیں　،　نہ　کچھ　آگاہ　ہوتے　ہیں
انہی　طرحوں　میں　پر　ہر　دم　فنا　فی　اللہ　ہوتے　ہیں(۴)

جب ان کے اندر عشق میں فنا ہونے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے تو ان کو اپنی حرماں نصیبی کا احساس شدت سے ہونے لگتا ہے۔ وہ اپنی کم مائیگی پر ایک لمحے کے لئے افسردہ تو ہوتے ہیں لیکن پھر معاً ان کے ذہن میں ایک تجلی سی کوندتی ہے کہ وہ اس عشق کی حرمت میں اپنی متاع عزیز یعنی جان کو قربان کر دیں۔

ہمارے　پاس　ہے　کیا　جو　فدا　کریں　تجھ　پر

مگر یہ زندگی مستار رکھتے ہیں(۵)

درد نے مجازی اور حقیقی عشق کے تمام رازہائے سربستہ اپنی شاعری کے ذریعے منکشف کیے ہیں۔6 اس راہ عشق کی تمام کیفیات واردات کا عکس ان کے کلام میں بخوبی نظر آتا ہے۔ عشق کے سفر میں جہاں وہ جان قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں، وہیں وہ باطنی کیفیات سے آگاہ کرتے ہیں کہ یہ رسم محض ہے ورنہ وہ لذت عشق میں کب کے فنا ہو چکے ہیں۔

آپ سے ہم گزر گئے کب کے
کیا ہے ، ظاہر میں گو سفر نہ کیا (۷)

درد کے عشق میں سپردگی اور گداختگی ہے۔ وہ محبوب کی دی گئی اذیتیں، مصیبتیں، ملامتیں، بلائیں سب سہہ جانے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی
جی فنا ہو ہی گیا اک نگہہ کرم کے ساتھ
درد کچھ اور عنایات نہ ہونے پائی(۸)

درد کے عشق میں سپردگی، وارفتگی، محویت کے ساتھ ضبط و توازن بھی موجود ہے۔ ان کے عشق میں احساسات، جذبات کی فراوانی ہے۔

فنائے دنیا:

اٹھارہویں صدی کے تغیر و تبدل نے جہاں بہت سے انقلاب رونما کیے وہی لوگوں کی فکر و نظر کا دھارا بدلنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ دنیا کی بے ثباتی، بے بضاعتی جیسے احساسات دل و دماغ میں پختہ ہوتے چلے گئے۔ آئے دن کے فسادات، قتل و غارت اور تباہی نے زندگی کو بے حقیقت بنا دیا۔ دنیا اور اس کی چاہتیں سب وقعت کھونے لگے ں۔ خوشیوں کے لمحے عارضی دکھائی دینے لگے۔ زندگی کی ناپائیداری کے احساس نے لذت دنیا کو کم فنا کے احساس کو بڑھا دیا۔

کیا کہیں، سوے فنا کس طور کر، جاتے ہیں ہم
شمع کے مانند ، سر کے بھل ادھر جاتے ہیں ہم (۹)

اس دنیا کی ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔ یہاں کسی شے کو ثبات نہیں۔ کیا گل، کیا چمن، ہر چیز کا مقدر فنا ہونا ہے۔

نے گل کو ہے ثبات ، نہ ہم کو ہے اعتبار
کس بات پر چمن ! ہوس رنگ و بو کریں (۱۰)

فنا۔ ذریعہ وصال یار:

درد کی شاعری صرف احساسات و جذبات کی ہی نہیں بلکہ اس میں تعقل و تفکر کی گہرائی بھی موجود ہے۔ متصوفانہ خیالات نے ان کو مزید گھلاوٹ شیرینی پیدا کر دی ہے۔ وہ بھی کائنات کو اسی انداز سے دیکھتے ہیں جس طرح صوفی مفکرانہ انداز سے کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ دنیا اور معاملات دنیا میں اثباتی پہلو تلاش کرتا ہے۔ اپنے آپ کو مایوس اور نومیدی سے بچالیتا ہے۔ وہ تخریب میں بھی تعمیری پہلو تلاش کرتا ہے۔ فنا اس کے نزدیک وصال یار کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ وہ اسی آرزو اور امید میں زندگی بسر کرتا ہے کہ فنا کی صورت میں اسے دیدار محبوب نصیب ہو گا۔ وہ دن رات اسی کے فراق او بے اختیاری کا علاج صرف وصل یار ہی میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل ، سو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے (۱۱)

درد کے یہاں بھی عارفانہ اور مفکرانہ خیالات کی چاشنی موجود ہے۔ ان کے نزدیک بھی فنا وصال یار کا ذریعہ ہے۔ اصل سے وصل کی جدائی انہیں بے قرار کئے رکھتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک انسان کی حقیقت اس قطرے کی سی ہے جسے دریا میں جا کر مدغم ہونا ہے۔ ہر جز کو اپنے کل سے جاملنا ہے ۔اس سے جدا رہ کر وہ بے چین و بے قرار رہے گا۔

ہر جز کو ، کل کے ساتھ، بہ معنی ہے اتصال
دریا سے در جدا ہے ، پہ ہے غرق آب میں (۱۲)

فنا۔ذریعہ عبرت:

درد کے ہاں فنا یا مرگ ذریعہ عبرت بھی ہے۔ انسان زندگی کی رونقوں اور دلفریبیوں میں کھو کر مقصد زندگی کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور زندگی کے کھیل تماشوں میں ہی الجھ کر رہ جاتا ہے لیکن وہ وقت مرگ پچھتانے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

وائے نادانی ! کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا ، جو سنا، افسانہ تھا (۱۳)

جانے والے یہ سبق عبرت چھوڑے جلتے ہیں کہ اس عالم ناپائیدار میں کوئی بھی پائیدار نہیں۔ ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔ عظیم الشان سلطنتیں، شان وشوکتیں، رعب ودبدبے سب مٹی میں مل کر خاک ہوگئے۔ بستیوں کی بستیاں اجڑ گئیں۔ کتنی ہی عظیم ہستیاں اس دنیا میں آئیں لیکن سب خاک نشین ہوگئیں۔ اس خاک کے نیچے کیسے کیسے انمول خزانے دفن ہوگئے۔ جو اپنے پیچھے یہ سبق و نقش چھوڑ گئے کہ ہر چیز کا مقدر فنا ہی ہے۔

چشم عبرت دیکھ ایدھر
نقش لوح مزار ہیں ہم (۱۴)
مال کار سمجھایا قبور نے ہم کو
یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے (۵)

فنا۔ذریعہ آسودگی:

اٹھارہویں صدی کے ہنگاموں اور فتنہ وفساد کی وجہ سے وسیع پیمانے پر تباہ کاری اور بربادی دیکھنے میں نظر آئی۔ قتل وغارت اور لوٹ کھسوٹ نے لوگوں کو ایک نامعلوم خوف میں مبتلا کر دیا۔ زندگی کی رونقیں اور لذتیں خوف اور اذیت میں بدل گئیں۔ زندگی گزارنے کا تصور محال ہوگیا۔ آسودگی وخوشحالی عنقا نظر آنے لگی۔ اس ابتلاؤ آزمائش کے زمانے نے انسان کو مایوسی وناامیدی سے دوچار کر دیا۔ ان کو فنا ذریعہ آسودگی دکھائی دینے لگا۔ بعد از فنا، آسودگی وآرام کے تصور نے انہیں دنیا اور غم زیست کو سہنے کے قابل بنا دیا۔ زندگی میں جو آرام وسکون انہیں میسر نہ آسکا وہ بعد از مرگ انہیں دکھائی دینے لگا۔ درد کے ہاں بھی فنا ذریعہ آسودگی کا تصور مختلف پیرائے میں موجود ہے۔

دشت عدم میں جاکے ، نکالوں گا جی کا غم
کنج جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا (۱۶)
جو مزے ہیں مرگ میں ، سو ہم سے پوچھا چاہیے
کون جانے آہ ، کیا لذت ہے ، مرجانے کے بیچ (۱۷)

موت ، ہے آسائش افتادگان
چشم نقش پا کو ، مٹ جانا، ہے خواب (۱۸)

فنائے ہستی۔معدومیت:

درد کی شاعری کے پس منظر میں صوفیانہ فکر کے علاوہ تہذیبی معنویت بھی موجود ہے۔ معاشرے کی سیاسی ابتری اور بدحالی نے دنیا کی ناپائیداری اور زندگی کا نقش بر آب ہونا جیسے خیالات کو دل و دماغ میں راسخ کر دیا۔ تصوف جو کہ دہلی کی تمدن میں شامل ہو چکا تھا، اس نے ان خیالات کو اور تقویت بخشی۔ لوگوں کے دلوں میں درد والم کی کیفیت پیدا ہو گئی، جس نے ان کے اندر معدومیت کے تصور کو مزید پختہ کر دیا۔ ادب و شاعری زمانے کے تغیر و تبدل سے براہِ راست اثر قبول کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں حالات کی ترجمانی خیالات کے ذریعے بخوبی کی جاتی ہے۔ درد کی شاعری بھی تہذیب کے زوال کی عکاس نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری میں بھی زندگی کی ناپائیداری اور فنائے ہستی کے گہرے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

آہ ، معلوم نہیں ، ساتھ سے اپنے شب وروز
لوگ جاتے ہیں چلے ، سو یہ کدھر جاتے ہیں (۱۹)
درد جوں نقش قدم تھا سرِ رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پانو کے دھرتے دھرتے(۲۰)

درد کے نزدیک جب ہستی کو نیستی ہی ہونا تو بعد فنا کوئی نام و نشان بھی گوارا نہیں کیونکہ صوفی معدوم ہونے کے بعد ہستی کی تمنا نہیں کرتا۔

اہل فنا کو ، نام سے ہستی کے ، ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے(۲۱)

فنا۔۔۔ذریعہ جبر:

درد کے یہاں فنا ذریعہ جبر کا بھی تصور موجود ہے۔ کہنے کو تو انسان پر خود مختاری کی تہمت ہے لیکن حقیقت میں انسان قسمت کی ستم ارزانیوں کے ہاتھوں بے بسی و لاچار نظر آتا ہے۔

وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر ہے و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں(۲۲)

درد کے زمانے میں ہندوستان انحطاط کا شکار تھا۔ شاہان سلطنت بھی حالات کے جبر پر لاچار نظر آتے تھے۔ حالات کی بدحالی اور ابتری سے گھبرا کر لوگ دہلی سے کوچ کرنے لگے لیکن درد نے اس پر آشوب زمانے میں حالات کے سرد و گرم کا بلند حوصلگی اور اعلیٰ ہمتی سے سامنا کیا اور اس اجڑے دیار کو نہ چھوڑا۔ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ ان کی شخصیت اسی طرح مستحکم رہی۔(۲۳) انہوں نے زندگی کے جبر کو صبر سے برداشت کیا۔

تھا عالم جبر ، کیا بتاویں
کس طور سے زیست کر گئے ہم(۲۴)

درد جبر مطلق کے قائل نہیں ہیں لیکن وہ اختیار کلی کو بھی نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک جبر واختیار کا انہیں پورا شعور ہے۔ ان کے دور میں انسانیت شکستہ حال اور پامال تھی۔ جس کا گہرا کرب درد کی شاعری میں سمٹ آیا ہے۔ کہنے کو تو زندگی کا پہیہ جاری تھا لیکن یہ خوشی سے عاری تھا۔

زندگی جس سے عبارت ہے، سووہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے تئیں کہیے ، کہ ہاں ،جیتے ہیں(۲۵)

درد کا نظریہء فنا بالجبر ان کے اندر مسرت اور تشنگی تو پیدا کرتا ہے لیکن انہیں قنوطیت سے دوچار نہیں کرتا۔ وہ دنیا کی بے ثباتی کو بھی دیکھتے ہیں اور زمانے کے ظلم و جبر کو بھی سہتے ہیں لیکن تکالیف زمانہ سے ان کے لہجے میں کہیں نشتر سی چبھن پیدا ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ زندگی کو نشاط کار کا لطف ہی حاصل نہ ہو سکا۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے!
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
شمع کے مانند ، ہم اس بزم میں
چشم تر آئے تھے، دامن تر چلے(۲۶)

فنا۔ذریعہ تباہی:

درد کے ہاں تصور فنا ایک مختلف پہلو میں بھی سامنے آتا ہے۔ وہ اسے تباہی کے مترادف گردانتے ہیں۔ اس کائنات کی تعمیر، ستاروں کی چمک، پھولوں کی مہک، چرند پرند کی چہک، زمان و مکاں کی وسعت، آسماں کی رفعت، ان سب کو اگر ایک دن فنا ہی ہونا تھا تو رہنے کے لئے اتنی پر رونق دنیا کیونکر بنائی گئی۔ اتنے بلند و بالا عالی شان قصر و محل جہاں شاہان وقت کی چہل پہل نظر آتی تھی سب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے۔ جب سب کا انجام کار یہی مقصود ہے تو اس تعمیر میں بجز تخریب اور کیا ہے۔ اس ہستی کو نیستی کر کے خرابی و تباہی بپا کرنی تھی تو ہستی کیونکر ضروری تھی۔

منعم ! ایسے قصر لاکھوں میں گئے ہیں خاک میں
جز خرابی کے ، بتا کیا فائدہ تعمیر سے (۲۷)
نہ لازمِ نیستی اس کو، نہ ہستی ہی ضروری ہے
بیاں کیا کیجئے اے درد ممکن کی تباہی کو(۲۸)

فنا۔ذریعہ قدر:

درد جہاں تصور فنا میں تخریب دیکھتے ہیں وہیں اثباتی پہلو بھی ان کے خیالات و احساسات کے دامن میں جگہ پاتے ہیں۔ زندگی کی تلخیوں، پریشانیوں اور زمانے کی ریشہ دوانیوں سے گھبرا کر فنا کی آغوش میں سما جانا چاہتے ہیں تو اس میں وہ امید اور آس کو سجا لیتے ہیں کہ جو قدر ان کو زمانے میں، ان کی زندگی میں نہ مل سکی وہ بعد از فنا ان کے حصے میں ضرور آئے گی۔ لوگ جو اب ان کی گریہ وزاری سننے سے بیزار نظر آتے ہیں وہ ان کے مرنے کے بعد ان نالوں کو سننے کے لئے بے قرار نظر آئیں گے لیکن تب تک میں فنا ہو چکا ہوں گا۔

بعد مرنے کے مرے ، ہوگی مرے رونے کی قدر
تب کہا کیجئے گا لوگوں میں ، وہ برساتیں کہاں(۲۹)

فنا وجہ اضطراب:

درد کے یہاں جرات اظہار موجود ہے جہاں وہ نہایت بے باکی اور بے خوفی سے اپنے درد کا اظہار شعری پیرائے میں کرتے ہیں۔ تصور فنا ان کے نزدیک وجہ اضطراب بھی۔ جب تک انسان اسیر حیات رہتا ہے وہ فنا ہو جانے کے خوف میں جکڑا رہتا ہے۔ اسے فنا کی فنائیت اپنے حصار میں گھیرے رکھتی ہے وہ اندیشوں اور وسوسوں میں اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ اضطراب اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک زندگی کا باب کھلا رہتا ہے۔

اسے امید ہوتی ہے کہ وہ جیسے ہی فنا کی سواری پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں دھرے گا تو زندگی کے حساب و عتاب سے نجات پالے گا لیکن یہ اضطراب ایک عذاب کی صورت میں بعد از مرگ بھی باقی رہتا ہے۔ فنا ہو کے بھی سکون اس کے لئے کمیاب ہے۔ بعد از فنا بھی وہی آہ وزاری اس کا مقصد ہے جو خاک کی صورت اس کی تربت سے بلند ہوتی رہتی ہے۔

اٹھتا ہے بعد مرگ بھی ، مانند گرد باد
اے درد! خاک سے مری اب تک غبار دل (۳۰)
ہے بعد مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز
لگتی نہیں ہے تالو سے میری زباں ہنوز (۳۱)

فنا بیزاری دنیا:

اٹھارہویں صدی کے پر آشوب دور میں جب اخلاقیت اور انسانیت پامال تھی، داخلی و خارجی کرب نے جینا آزاد کر دیا تھا، اس صورت حال میں دنیا اور معاملات دنیا سے بیزاری پیدا ہونا ایک فطری ردِ عمل تھا۔ گو درد نے ان تمام حالات کا مرد مجاہد کی طرح مقابلہ کیا۔ انتشار و افلاس کے ان سخت حالات میں جب لوگ ابتلاؤ آزمائش سے گھبرا کر شہر سے کوچ کر رہے تھے، شکستہ حالی ان کے اندر باقی ماندہ جیے جانے کی تمنا کی لو کو مدھم کئے دے رہی تھی ، درد اپنی محویت ذات، قناعت اور توکل کے باعث وہی مقیم رہے۔ درد کے صبر و استقامت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے :

> "غم دنیا کے ساتھ میر درد کا معاملہ "مرد خدا" کا سا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے کلام میں بے زری و بے مائیگی کی شکایت یا دنیاوی محرومی و بد نصیبی کا رونا نہیں رویا۔ ہاں ان سے پیدا ہونے والے عبرت انگیز نتائج کا بیان ضرور کیا ہے تا کہ انسان تسلیم و رضا اور صبر و شکیب سے غم کا مقابلہ کر سکنے کے قابل ہو سکے۔"(۳۲)

درد نے ان حالات کا نہ صرف بڑے صبر و تحمل، جوانمردی سے مقابلہ کیا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے نظر آئے۔ ان کٹھن حالات نے ان کے دل سے حب دنیا کو مٹا دیا اور ان کے اندر دنیا سے بیزاری کا رویہ پیدا کر دیا جہاں بعض اوقات وہ جینے سے بھی بیزار نظر آئے۔

سبھی اپنے جینے سے اے درد، خوش ہیں
اگر ہوں تو یہ ایک بیزار میں ہوں (۳۳)

بیزاری دنیا سے متعلق یہاں درد کے صوفیانہ خیالات کی جھلک نظر آتی ہے۔ صوفی جب دنیا کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کا مقصد حصول دنیا نہیں ہوتا بلکہ وہ دنیا گریزی کا رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ دنیا گریزی کا یہ رویہ اگر فرار کے لئے ہو تو منفی بن جاتا ہے لیکن اگر مقصد قرب رضائے خداوندی کا حصول ہو تو یہ عمل مثبت بن جاتا ہے۔(۳۴) درد کے ہاں بیزاری دنیا اسی مقصد کے پیش نظر آتی ہے۔ ان کے نزدیک انسان کی روح زندگی کے پنجرے میں مقید اپنے اصل سے وصل کے لئے بے قرار و بے اختیار ہے وہ جلد از جلد اپنے مرجع کی طرف لوٹ جانا چاہتی ہے۔ اس لئے وہ اس زندگی کے پنجرے سے جلد از جلد رہائی پا کر ابدی زندگی کے متمنی دکھائی دیتی ہے۔ اسی لئے درد بھی دنیاوی زندگی سے بیزار نظر آتے ہیں۔

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ ! چھوڑ گئی تو کہاں مجھے (۳۵)

فنا۔بحیثیت موت:

فنا کا تصور بحیثیت موت جب ہمارے سامنے آتا ہے تو اس حوالے سے ہمارے سامنے مثبت اور منفی دونوں روے ے سامنے آتے ہیں۔ موت ایک ناگزیر حقیقت ہے اس سے فرار ممکن ہے۔ حالات کے جبر و قدر سے گھبرا کر جب جینا آزار نظر آتا ہے تو موت اس کے لئے ذریعہ فرار قرار پاتا ہے۔ لیکن جب صوفی ان معاملات پر غور و فکر کرتا ہے تو وہ اس میں بھی مثبت پہلو تلاش کر لیتا ہے۔ اس کے نزدیک جو لوگ پہلے ہی اپنے رب کی رضا کے مطابق خود کو فنا کر کے جان سے گزر جاتے ہیں وہ موت کے خوف سے نجات پا لیتے ہیں۔ موت آ کے ان کو اور بھی پر عظمت بنا دیتی ہے۔ درد کے ہاں دونوں تصورات پائے جاتے ہیں۔

پھر موت کسو طرح سے نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے (۳۶)
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں(۳۷)

فنا انجام زندگی:

درد نے معاملات دنیا کے بارے میں خوب غور و فکر کیا اور اپنے مشاہدات و مجاہدات اور تجربات و خیالات کو شعری پیرائے میں ڈھال کر خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ انہوں نے اپنے متصوفانہ خیالات کی نفاست اور چاشنی سے اردو شاعری میں تصوف کی روایت کو اور مستحکم کیا۔ فنا کے حوالے سے جب وہ موجودات دنیا کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تو انہیں دنیا کی ہر چیز مائل بہ فنا نظر آتی ہے۔ گویا ہر ذی روح کا انجام فنا ہونا ہے۔ اس دنیا میں انسان خالی ہاتھ صرف چند سانس مستعار لے کر آتا ہے جن کی معیاد پوری ہونے پر وہ اس دنیا سے کوچ کر کے عدم کی راہ لیتا ہے۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے ہم سو کر چلے (۳۸)
کچھ لائے نہ تھے ، کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک سو ، گئے ہم(۳۹)

فنا برائے بندگی:

درد کے نزدیک فنا کا ایک پہلو بندگی بھی ہے۔ جب انسان اس حقیقت سے کلی آگاہ ہو جاتا ہے کہ اس کا انجام فنا ہے تو وہ اپنی چند روزہ حیات کو اپنے رب کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی سعی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ درد بھی اپنی شاعری میں اس نکتے کی جانب توجہ مبذول کرواتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں جس مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے اس مقصد کو سر انجام دینا چاہیے تاکہ اسے اپنے خالق کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ کیونکہ زندگی مانند شمع گھلتی چلی جاتی ہے۔

کم فرصتی نے ہستی بے اعتبار کی
شرمندہ تیرے آگے ہمیں اے شرر کیا (۴۰)

درد اپنے کلام کے ذریعے یہ تلقین و تنبیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ زندگی جو میسر ہے اسے نعمت و غنیمت جان کر سیر وافی الارض پر عمل پیرا ہو جائے تا کہ دنیا میں اس زمین میں پھر کر غور و فکر کر کے اپنی زندگیوں کو سنوارو۔

سیر کر دنیا کی غافل ، زندگانی پھر کہاں
زندگانی گر کچھ رہی ، تو نوجوانی پھر کہاں(۴۱)

فنا ذریعہ بقا:

زندگی اور موت کے سوز و ساز ہمیں پہلو بہ پہلو دکھائی دیتے ہیں۔ صوفی جب ان معاملات کو بنظر غائر دیکھتا ہے تو وہ اس میں خدائے مطلق کی رضا کو تلاش کرتے ہوئے اثباتی پہلو پر نظر رکھتا ہے۔ اس کے نزدیک فنا محض ایک پل ہے جس کو پار کر کے بقائے دوام پالیتا ہے۔ یہ عالم ناپائیدار تو بنی ہی ختم ہو جانے کے لئے ہے تا کہ اس دار فنا سے نکل کر انسان دار بقا میں پناہ گزین ہو۔ درد بھی فنا کو بقا کا دیباچہ جانتے ہیں۔ ان کے نزدیک محبت فنا ہی میں بقا کا راز مضمر ہے۔ انسان کا فانی وجود اسی بقا کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس رنگ سے آہنگ کر لے جس کو فنا کے بعد بقا نصیب ہو۔ انسان کا فانی وجود خود اس حقیقت پر دال ہے کہ اس کا جسم تو ظاہری طور پر فنا ہو جاتا ہے لیکن روح اپنے اصل کی طرف لوٹ کر بقا پالیتی ہے۔ صوفیائے کرام جو زندگی میں بھی لوگوں کو راہ خدا کی طرف لانے میں اخلاص سے سرگرم عمل رہے، بعد از مرگ بھی ان کے مزار مرجع گاہ خلائق بنتے ہیں۔ جہاں لوگ ارادت مندی کے ساتھ وہاں آکر ان کی تعلیمات سے فیض پاتے ہیں۔ یعنی وہ مر کر فنا نہیں ہوتے، بقا پا جاتے ہیں۔ درد روحانی سلسلے کے جانشین تھے اور خود بھی با عمل صوفی تھے۔ انہیں اس بات کا بخوبی ادراک ہے کہ بعد از مرگ بھی ان کی تعلیمات سے لوگ رشد و ہدایت پاتے رہیں گے یوں وہ لوگوں کے دلوں میں بقا پالیں گے۔

گرد دیکھے تو مظہر آثار بقا ہوں
ور سمجھے جوں عکس مجھے ، محو فنا ہوں
کرتا ہوں پس از مرگ بھی حل مشکل عالم
بے حس ہوں ، یہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں (۴۲)

درد معاملات تصوف کو اپنے کلام میں گہرائی و گیرائی سے پیش کر کے غزل کو عارفانہ لذت بخشی ہے۔ درد کے دور میں ہندوستان ابتلاؤ آزمائش کے دور سے گزر رہا تھا، عوام انتشار اور اخلفشار کا شکار تھی۔ ذہنی سکون و اطمینان عنقا تھا۔ انہیں تصوف کی آغوش میں پناہ نصیب ہوئی۔ درد نے تصوف کو صرف فلسفہ ہی نہیں رہنے دیا بلکہ قابل عمل بنایا۔ اپنے تفکر و تدبر کی چاشنی سے اپنی شاعری میں معاملات و مسائل تصوف کو اتنی نزاکت و نفاست سے بیان کیا کہ شاعری میں تصوف کے حوالے سے ان کا نام ہمیشہ کے لئے امر ہو گیا۔ درد نے زندگی کی بے ثباتی کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ بنظر غائر اس کا مشاہدہ بھی کیا۔ اس لئے فنا کا تصور ان کے کلام میں بہت گہرا اور واضح نظر آتا ہے۔ تصور فنا کو وہ مختلف پہلوؤں سے دیکھ کر اس میں اثباتی پہلو کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ وہ فنا کو زندگی کا اقتضا سمجھتے ہیں کیونکہ بغیر فنا زیست کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ وہ فنا کو زندگی کا عنوان قرار دیتے ہیں۔ وہ فنا سے لذت کشید کر کے اس میں محو و مسرور دکھائی دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، مقدمہ دیوان میر درد، مرتب: کلب علی خان فائق، لاہور: آئینہ ادب، بار اشاعت ۱۹۸۸ء، ص:۱۱۔۱۲

۲۔ سنبل نگار، اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، علی گڑھ، ایجوکیشنل بُک ہاؤس، ۲۰۰۴ء، ص:۳۶

۳۔ میر درد، دیوانِ درد، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۹ء، ص:۱۶

۴۔ ایضاً، ص:۵۰

۵۔ ایضاً، ص:۵۱

۶۔ قدیر احمد، خواجہ میر درد اور ان کا ذکر و فکر، دہلی، مکتبہ شاہراہ، بار اول، ۱۹۶۴ء، ص:۳۲۶

۷۔ میر درد، دیوانِ درد، ص:۱۸

۸۔ میر درد، دیوانِ میر، ص:۹۰

۹۔ ایضاً، ص:۴۷

۱۰۔ ایضاً، ص:۵۲

۱۱۔ ایضاً، ص:۸۵

۱۲۔ ایضاً، ص:۵۲

۱۳۔ میر درد، دیوانِ درد، ۱۹۸۹ء، ص:۱۳

۱۴۔ ایضاً، ص:۴۵

۱۵۔ ایضاً، ص:۸۹

۱۶۔ ایضاً، ص:۲۰

۱۷۔ ایضاً، ص:۳۷

۱۸۔ ایضاً، ص:۳۶

۱۹۔ ایضاً، ص:۵۶

۲۰۔ ایضاً، ص:۸۱

۲۱۔ ایضاً، ص:۸۰

۲۲۔ میر درد، دیوانِ درد، مرتب: نسیم احمد، ڈاکٹر، نئی دہلی، مکتبہ جامعہ، ۲۰۰۳ء، ص:۱۵۶

۲۳۔ ظہیر صدیقی، خواجہ میر درد، نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۲ء، ص:۲۱

۲۴۔ میر درد، دیوانِ درد، ص:۴۵

۲۵۔ ایضاً، ص:۶۳

۲۶۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۲۷۔ ایضاً، ص:۹۴

۲۸۔ ایضاً، ص:۶۸

۲۹۔ ایضاً، ص:۶۰

۳۰۔ ایضاً، ص:۴۴

۳۱۔ ایضاً، ص:۴۱

۳۲۔ وقار عظیم، سید، مدیر خصوصی، تاریخِ ادبیاتِ مسلمانان پاکستان و ہند، ساتویں جلد (۱۸۰۳ء-۱۹۰۹) لاہور، پنجاب یونیورسٹی، (س۔ن)، ص:۱۶۰

۳۳۔ میر درد، دیوانِ درد، ص:۵۳

۳۴۔ سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر، اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، جلد دوم، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ص:۴۱۱

۳۵۔ میر درد، دیوانِ درد، ص:۹۳

۳۶۔ ایضاً، ص:۹۵

۳۷۔ ایضاً، ص:۲۶

۳۸۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۳۹۔ ایضاً، ص:۴۶

۴۰۔ ایضاً، ص:۲۲

۴۱۔ ایضاً، ص:۶۵

۴۲۔ ایضاً، ص:۴۹